۱۵ر نومبر ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

رجسٹرڈ نمبر L.922
فون نمبر 29
ایڈیٹر
آل احمد سرور

فی کاپی پندرہ پیسے
قیمت سالانہ پانچ روپے
اشاعت کی تاریخیں
۱۸ ، ۲۲

جلد ۳۰ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ (۴۳)

ادارئیہ

اردو خط وکتابت کورس

اردو دوستوں کو پروفیسر مجیب کا شکرگزار ہونا چاہیئے کہ انھوں نے جامعہ ملیہ میں اردو خط وکتابت کورس کا ایک مرکز کھولا ہے اور ایک نہایت تجربہ کار اور پرانے استاد جناب حمید الغفار رودھولی کو اس کا نگراں مقرر کیا ہے۔ گذشتہ سال جامعہ ملیہ کے جشنِ زرّیں کے موقع پر اس پروگرام کا آغاز ہوا اور سال بھر کے اندر تقریباً ایک ہزار افراد خط وکتابت کے ذریعہ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہماری زبان کی پچھلی اشاعت میں اس کی رپورٹ شائع ہو چکی ہے جس سے یہ اندازہ ہوا ہوگا کہ اگرچہ اس وقت تک زیادہ تر پڑھنے والے دہلی کے ہیں، مگر اس سے فائدہ اٹھانے والوں میں قریب قریب سبھی ریاستوں کے باشندے ہیں۔ یہ کورس ان لوگوں کے لئے ہے جو ہندی جانتے ہیں اور اردو کے کچھ الفاظ سے واقف ہیں لیکن اردو لکھنا پڑھنا انھیں نہیں آتا۔ امید ہے کہ ہندی کے علاوہ دوسری زبانوں کے ذریعہ اردو سکھانے کا بھی جلد انتظام ہوگا۔ اس وقت تک اس کورس کے لئے دو کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ پہلی میں حروف سکھائے گئے ہیں اور ان کے ذریعہ الفاظ اور پھر جملے۔ درس کے اسباق نہایت موزوں اور مناسب ہیں۔ شروع میں سارے حروف تہجّی نہیں سکھائے گئے بلکہ ان میں وہ ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے جو ہندی جاننے والوں کے لئے آسانی کا باعث ہو۔

دوسری کتاب میں دوسرے درجے سے لے کر چھٹے درجے تک کا معیار ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اسباق میں تنوع ہے۔ مشقوں کے ذریعہ سے طالب علم تمام منزلوں سے آسانی سے گزر سکتا ہے۔ خطوں اور عرضیوں کے نمونوں کی مدد سے روزمرّہ کی ضروریات کو پورا کرنے کا التزام موجود ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کورس ہر لحاظ سے مفید اور جامع ہے اور اس کے ذریعہ سے جلد لوگ اردو سیکھ جائیں گے۔ اس کام کی زیادہ سے زیادہ ہمّت افزائی ہونی چاہیے۔ کورس کی کوئی فیس نہیں رکھی گئی ہے صرف خط وکتابت اور کتابوں کے لئے دو روپیہ کی چھوٹی سی رقم کی قید ہے۔ ویسے دوسروں کو یہ کتابیں مکتبہ جامعہ سے علٰحدہ بھی مل سکتی ہیں۔

ہمارے ملک میں کئی زبانیں سیکھنے کا شوق بہت کم ہے۔ اس کے علاوہ ایک زبان جاننے والا دوسری زبانوں کے متعلق بہت کم واقفیت رکھتا ہے یا لوگ اپنی زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان کسی سرکاری یا کاروباری جبر کی بنا پر ہی سیکھتے ہیں، یہ صورت حال افسوس ناک ہے۔ ظاہر ہے کہ کئی زبانیں سیکھنے کے لئے ہر شخص کسی اسکول یا شبینہ مدرسے میں داخل نہیں ہو سکتا اس لئے خط کتابت کورس زبان سکھانے کا بہت اچھا ذریعہ ہیں۔ اردو دوستوں کو خاص طور سے اپنے حلقے میں ایسے لوگوں کو جو اردو سیکھنا چاہتے ہیں، آمادہ کرنا چاہیے کہ وہ جامعہ کے خط کتابت کورس میں شریک ہوں اس کے علاوہ انھیں کچھ تعلیمی اداروں کو اس پر آمادہ کرنا چاہیے کہ وہ دوسری زبانوں کے ذریعہ سے بھی اردو سکھانے کے لئے ایسے کورس چلائیں، جیسا صرف اردو دوستوں کی اردو

میں تعلیم کا انتظام ہی نہیں کرتا ہے، بلکہ دوسری زبانیں جاننے والے ان لوگوں کو جو اردو کے شاندار ادب سے واقف ہونا چاہتے ہیں، خط کتابت کے ذریعہ سے اردو سیکھنے پر آمادہ بھی کرتا ہے۔ جو لوگ اس طرح اردو سیکھ جائیں گے وہ اردو کے حقوق کی حفاظت میں ہمارے معاون ہوں گے اور ان کی مدد سے ہم اردو کی بقا اور ترقی کی مہم میں زیادہ کامیاب ہو سکیں گے۔

'لہو پکارے گا آتین کا' کی اشاعت

انڈو بنگلہ فرینڈشپ سوسائٹی نے زیر صدارت شری جلا تہ کوشل ایک جلسہ میں اردو میں لہو پکارے گا آتین کا' کے نام سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس میں ہندوستان کے ان تمام ممتاز شاعروں کا وہ کلام ہوگا جو انھوں نے بنگلہ دیش کی تحریک آزادی کی حمایت میں کہا ہے۔

جناب تو بہار رضا رکی سربراہی میں رشی پٹیالوی اور سورج تویر پر مشتمل ایک سب کمیٹی کے ذمہ لہو پکارے گا آتین کا' کے نام اس کتاب کی ادارت کا کام سونپ دیا گیا ہے۔

• رشی پٹیالوی

نایاب مخطوطے کی دریافت

ایک اردو مثنوی "بہرام دو لآرام" تالیف سید مظفر علی آہ اور ایک نثری شہ پارہ مجھے دریافت ہوا ہے جسے میں ایڈٹ کر رہا ہوں۔ مثنوی کی تاریخ ۱۲۲۴ھ درج ہے اور خاص ہماری لب و لہجے میں قلمبند کی گئی ہے۔ ابتک میں اردو کے کئی مشہور تذکرے دیکھ چکا ہوں لیکن مصنف کا ذکر نہیں مل سکا۔

اس مثنوی یا مصنف سے متعلق مزید معلومات درکار ہیں۔ ادب نواز حضرات مندرجہ ذیل پتہ پر معلومات بہم پہنچا کر ممنون فرمائیں۔

• وحید عرشی۔ نیا بازار
پوسٹ۔ کانکی ناڑہ ضلع ۲۴ پرگنہ

باقی صفحہ ۱۱ سے آگے

کسی ایک زبان میں ادائگی مطلب اور کسی بھی ادب سے لطف اندوز ہونے دونوں کی صلاحیت ان طلبہ میں پیدا نہیں ہوتی ہوگی۔

اس صورت حال کے ذمہ دار ہیں (انگریزی، ہندی، اردو) زبانوں کے درس و تدریس کے فرسودہ اصول اور نظریے اور "شاہی، تاریخی، تہذیبی" انتخابات اور یہ صورت حال اسی وقت بدلے گی جب ہم زبان کو بطور زبان (وسیلۂ ترسیل خیالات) سکھانا شروع کریں گے اور جب ادب کو اس طرح پڑھائیں گے کہ طلبہ کو حیاتی کتب کے مطالعے میں لطف آنے لگے اور وہ ادب کے مطالعے کی اہمیت سے واقف ہو جائیں یعنی ادب سے متعلق جو جذبہ ان میں پیدا ہو وہ تنفر کا نہ ہو بلکہ تجسس کا، غیریت کا نہیں اپنائیت کا۔

یہ دونوں باتیں یعنی زبان کی تدریس اور ادب کی تدریس الگ الگ کرنی ہوں گی، ان کے لئے الگ الگ نصاب تیار کرنے ہوں گے اور الگ الگ درس کے طریقے وضع کرنے ہوں گے یہ بھی ممکن ہے کہ زبان کی کما حقہ تعلیم دینے کی خاطر ہم کو ادب سے رو گردانی بھی کرنی پڑے، خاص طور پر ابتدائی مدارج میں یہ مسئلہ صرف اردو تک ہی محدود نہیں، کم از کم علی گڑھ میں یہ سوال انگریزی والوں کے لئے بھی قابل توجہ ہے کیونکہ علی گڑھ میں ذریعہ تعلیم انگریزی ہے جبکہ بی۔ اے۔ بی ایس سی وغیرہ کے بیشتر طلبہ نہ انگریزی اور نہ اردو میں اپنے مضامین کے موضوعات عصری مسائل یا حالات حاضرہ پر اعتماد سے تقریر یا تحریر کر سکتے ہیں۔ اس "گونگی" نسل کی طرف کب توجہ کی جائے گی؟

صفحہ ۱۱ سے آگے

کو یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ وقت کی رفتار کا پیمانہ بنے گا یا اس سے کٹ کر خود اپنے وجود کی نفی کرے گا۔ میری وہ دنیا یا دنیائیں جو بدل گئیں یا اب نہیں رہیں، مجھے وہ یاد بھی آتی ہیں، اور دل میں کسک بھی چھوڑ جاتی ہیں، لیکن میرے پاس ان کا نوحہ پڑھنے کی فرصت ہی نہیں۔ حال کا ہر لمحہ گزراں اور گریزاں ہے۔ میں اس تبدیلی کے عمل میں بے ارادہ بھی اور بالارادہ بھی شریک رہا ہوں — میں نے اپنے داخل اور خارج کی دنیاؤں کی تبدیلی خود بھی چاہی ہے — لیکن مجھے اپنا ماضی بھی عزیز ہے اس لئے کہ میں حیاتیاتی جبلت کے سہارے صرف "حال ہی کا جانور" نہیں، انسانی وجود ہونے کی حیثیت سے ماضی بھی رکھتا ہوں — اور یہ ماضی میرے حال میں زندہ ہے، میرے ذہن میں محفوظ ہے — میں اس زرخیز زمین سے مستقبل کے خوابوں کی فصل بھی اگانا چاہتا ہوں۔ ماضی کا ماتم وہ کرے جس کا ماضی مر چکا ہو، اور جس نے اپنے ماضی کو کھو دیا مستقبل بھی اس کی دسترس سے دور ہی رہے گا۔

▲

ڈاکٹر محمود الٰہی

فسانۂ عجائب کا قدیم ترین متن

رجب علی بیگ سرور کے حریف سخن دہلوی نے اپنی تصنیف 'سروش سخن' میں لکھا تھا:

"..... سرور لکھنوی نے اٹھارہ مرتبہ فسانۂ عجائب کو درست کیا؛ جو فقرہ سست پایا اسے چست کیا...."

ہرچند سخن کے یہ جملے معاصرانہ چشمک کا نتیجہ ہیں لیکن سرور کی زندگی میں فسانۂ عجائب کے جتنے اڈیشن شائع ہوئے ان کا مطالعہ اس دعوے کی توثیق کرتا ہے۔

فسانۂ عجائب کا پہلا اڈیشن ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء میں شائع ہوا؛ اس کے بعد ان کی زندگی میں مختلف مطابع سے اس کے کئی اہم اڈیشن شائع ہوئے اور ہر اڈیشن پہلے کے مقابلے میں بعض اہم تبدیلیوں کا حامل ہے۔ تبدیلیوں کی نوعیت ایسی ہے کہ فسانۂ عجائب پر تحقیقی کام کرنے والوں کو نئی نئی الجھنیں پیش آتی رہتی ہیں۔ دراصل ترمیم واضافہ کے وقت سرور کو اس کا خیال نہیں رہا کہ ان کے بعض بیانات تضاد کا شکار ہو گئے ہیں۔

سرور نے دیباچے اور خاتمے میں بھی حذف واضافہ سے کام لیا اور نفس قصّہ کے متن میں بھی۔ حذف واضافہ کے اس عمل کا محرک ایک تو خود ان کا ذوق تھا اور دوسرے مصلحت وقت بھی ان کے پیش نظر تھی۔

فسانۂ عجائب کی تبدیلیوں کا علم ہمیں مطبوعہ نسخوں کے ذریعہ ہوا ہے۔ ہمیں اس کا علم نہیں تھا کہ اشاعت اول سے پہلے یہ کتاب ترمیم واضافہ کی کن منزلوں سے گزری؛ اس کا سبب یہ ہے کہ اب تک اس کا ۱۲۵۹ھ سے پہلے کا کوئی مستند خطی نسخہ دستیاب نہیں تھا۔

حال ہی میں فسانۂ عجائب کا ایک خطی نسخہ[1] راقم سطور کی نظر سے گزرا جس کی کتابت اس کی اشاعت اول سے تقریباً چار سال قبل ہوئی تھی۔ نسخے کے آخر میں جو ترقیمہ ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"بخط بے ربط عاصی پیغمبر بخش عفی اللہ عنہ بتاریخ ۱۸ ماہ رجب المرجب ۱۲۵۵ھ ہجری مطابق پنجم ماہ کنوار ۱۲۴۷ فصلی وقت شام روز جمعہ تمام یافت۔"

اس کی اہمیت صرف اس لئے نہیں ہے کہ فسانۂ عجائب کا یہ قدیم ترین خطی نسخہ ہے۔ بلکہ اس کا مطالعہ تصنیف اور مصنف دونوں کی ایک اور ہی تصویر پیش کرتا ہے۔ دراصل سرور نے اشاعت کے لئے دینے سے پہلے فسانۂ عجائب میں غیر معمولی حک و اصلاح سے کام لیا۔

جس بات نے فسانۂ عجائب کو دہلی اور لکھنؤ کے مابین ادبی معرکہ آرائی کا محور بنایا، وہ ہے اس میں میرامن کا ذکر ہے اور اس خطی نسخے میں میرامن سے متعلق جملوں کا وجود ہی نہیں۔ اس میں صرف یہ عبارت ملتی ہے:

"اگرچہ ہیچمدان ہرزبان کو کیا یارا کہ دعوے اردو بر زبان لاوے یا اس فسانہ کو بنظر نثاری بجز انکساری کسی کو سناوے، تحریر اس کی فقط ایفاے تقریر ہے، امیدِ ناظرین پرتمکین سے یہ ہے کہ بچشم عیب پوشی و نظر اصلاح ملاحظہ فرماکے جہاں سہو یا غلطی پاویں باصلاح مزین فرمادیں......"

فسانۂ عجائب کے متداول نسخوں کے آخر میں سرور کے استاد نوازش کا ذکر ملتا ہے جس میں یہ اقرار کیا گیا ہے کہ انھوں نے اس کتاب کو بہ نظر اصلاح دیکھا تھا۔ اس نسخے میں یہ بیان بھی نہیں

---

[1] یہ نسخہ اب شعبۂ اردو گورکھپور یونی ورسٹی کی ملکیت ہے۔ یہ ادارہ بعض
(بقیہ صفحہ ۳ کالم ۲ پر)

(نوٹ باقی کالم ایک کا) دوسرے نوادر میرے رفیق کار ڈاکٹر احرار نقوی کی کوششوں سے شعبۂ اردو کو مل گئے ہیں۔

سلہ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۹ء

نصیر قریشی

وجود کا زخم

کتنی دلدوز ہیں ماضی کی سسکتی یادیں
کتنی غمناک ہیں امروز کی الجھی راہیں
کتنی موہوم و پُراسرار ہے فردا کی لگن

شدتِ یاس کبھی، شدتِ افکار کبھی
غمِ تنہائی، غمِ دل، غمِ اظہار کبھی
چیختی رہتی ہے احساس کے محبس میں کرن

زہرِ امروز کہیں، تلخیٔ حالات کہیں
کہیں سوکھے ہوئے پیڑوں کے تلے تپتی زمیں
دور تا حدِ نظر، ایک سلگتا ہوا بن

کوئی راہی، کوئی دستک، کوئی نغموں کا خدا
کوئی تارہ، کوئی جگنو، کوئی تنہا سا دیا
کوئی سرگرم تمنا لئے لمحوں کی چبھن

دشتِ ظلمات میں ہم جلیسوں کا دمساز تو ہو
جسم اور روح کے مابین ہم آواز تو ہو

ملتا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں کہ یہ فسانۂ عجائب کا وہ متن ہے جس پر ابھی نوازش نے اصلاحی نظر نہیں ڈالی تھی۔

فسانۂ عجائب میں لکھنؤ کا بیان خاصا اہم سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس نسخے سے وہ بیان بھی غائب ہے۔ لکھنؤ کے سلسلے میں صرف یہ عبارت ملتی ہے:

"بعد اس کے یہ چند زبان، عاجز البیان، رجب علی المتخلص بسرور، متوطن لکھنؤ، خطۂ دلپذیر، رشک جنت نشان، مسکن غلمان و حور:

سدا رضواں بھی جس کا خوشہ چیں ہے
سو وہ بس لکھنؤ کی سرزمیں ہے"

سرور نے کہیں کہیں قصے میں بھی کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ متداول فسانۂ عجائب کے ایک ضمنی قصے میں سوداگر کی لڑکی سے ایک انگریز کے عشق کا حال ملتا ہے۔ یہ حال اس خطی نسخے میں بھی ہے لیکن انگریز جس لڑکی کے دام محبت میں گرفتار تھا وہ سوداگر کی نہیں بلکہ ایک انگریز جنرل کی لڑکی دکھائی گئی ہے۔ متداول اور قلمی نسخوں کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں:

متداول نسخہ:- "کلکتہ میں ایک سوداگر تھا، عالی شان۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کی بیٹی تھی حسین، مہر طلعت ماہ جبیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اتفاق زمانہ کوئی انگریز لندن سے تازہ وارد ہوا۔ ۔ ۔ قضارا، وہ آفت کا مارا، کچھ اسباب لیے اس کی کوٹھی میں آیا اور اس غارت گر دین و ایمان۔ ۔ ۔ ۔ سے دوچار ہوا، عشق گلے کا ہار ہوا۔ ۔ ۔ ۔ جب اور کچھ تدبیر بن نہ آئی، خرید فروخت کے حیلے میں آمد و رفت بڑھائی۔ ۔ ۔ ۔ جب یہ امر مفصل سوداگر کے گوش زد ہوا۔ ۔ ۔ ۔ دونوں کو نصیحت کی، پند کیا، پھر سلسلۂ آمد و رفت قطع کیا، دیکھا بھالی کا رخنہ بند کیا۔ ۔ ۔ ۔"[۱]

خطی نسخہ:- "کلکتہ میں کوئی جرنیل تھا، سرگروہ انگلستان، بلند مرتبہ، عالی شان ایک بیٹی تھی اس کی حسین، مہر طلعت، ماہ جبیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اتفاق زمانہ ایک انگریز لندن سے تازہ وارد ہوکر بعہدہ کپتانی پلٹن مامور ہوا۔ قضارا موافق راہ و رسم فرنگیاں جرنیل کے گھر کھانے کو آیا، دیکھتے ہی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ از خود رفتہ و بے قرار ہوگیا۔ اس قوم میں حجاب نہیں۔ بلاناغہ اس کے گھر جانے لگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گاہ گاہ یہ بھی اس کے گھر جاتی مگر اس نظر سے کہ یہ جرنیل کی بیٹی ہے بہ نسبت اس کے کم آمد و رفت رہی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ امر جرنیل صاحب کے گوش زد ہوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سلسلۂ آمد و رفت طرفین سے بند کیا۔"

انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے پس منظر میں کردار کی یہ تبدیلی قابل مطالعہ ہے!

اب تک جو مثالیں پیش کی گئی ہیں انھیں نمونۂ خروار سے کے ذیل میں رکھنا چاہیے۔ جہاں تک اسلوب اور انداز نگارش کی تبدیلی کا سوال ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پریس کو سپرد کرنے سے پہلے سرور نے فسانۂ عجائب کے ایک ایک جملے کا احتساب کیا تھا۔ یہ جو ہم فسانۂ عجائب میں مسجع عبارت کا اہتمام دیکھتے ہیں خطی نسخے میں ایسا نہیں ہے۔ عبارت کو مسجع بنانے کے لئے متداول نسخوں میں سیکڑوں نئے فقروں اور جملوں کا یا تو اضافہ کردیا گیا ہے یا پرانے فقروں اور جملوں کو یکسر بدل دیا گیا ہے۔ جو بات خطی نسخے میں ایک جملے میں کہہ دی گئی تھی، سجع کی غرض سے وہی بات متداول نسخوں میں دو یا اس سے زیادہ جملوں میں پوری کی گئی۔

خطی نسخے میں جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اسے سرور کا بنیادی اور فطری اسلوب سمجھنا غلط نہیں۔ اس اسلوب پر نہ تو نوازش کی اصلاح کا سایہ ہے اور نہ یہ باغ و بہار کے لئے ایک حریفانہ پیش کش کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سادگی اور کھری نثر کے ارتقا کا ایک سنگ میل ہے جسے نام نہاد ادبی دبستانوں کی کشاکش سے کوئی غرض نہیں۔

مندرجۂ ذیل عبارت سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خطی نسخے میں سرور کا انداز نگارش کیا ہے۔ عبارت اس حصے سے متعلق ہے جہاں انجمن آرا کو جان عالم سے عقد کرنے کے لئے آمادہ کیا جارہا ہے۔

"بادشاہ نے بیگم کو خلوت میں بلا کر فرمایا حقوق احسان جیسے اس شاہزادے کے ہمارے ذمے ہیں، تمام خلق جانتی ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ مشتاق صورت و جمال شہزادی کا ہوکر یہاں تک آیا ہے۔ قطع نظر اس کے، صورت، سیرت، خلق، شجاعت، مروت، ہمت، جرأت، جتنی صفتیں ہیں، اللہ نے سب اس کی ذات میں عطا کی ہیں۔ حسب نسب پوچھنے کی حاجت نہیں، وہ سب چہرہ و اطوار سے معلوم ہوتا ہے۔ مناسب کیا، ضرورت یہ ہے، جلد سامان شادی کرکے عقد پڑھا دیجئے، خدا جانے آج کیا ہے، کل کیا۔ کار امروز بفردا مگزار۔

اس نے عرض کی جو کچھ رائے حضور میں گزرا یہی میں بھی عرض کیا چاہتی تھی۔ بادشاہ نے فرمایا آج انجمن آرا سے اظہار کرکے جواب باصواب حاصل

---

[۱] اس مضمون میں اقتباسات فسانۂ عجائب مرتبہ اطہر پرویز سے پیش کیے گئے ہیں۔

کرو پھر سامان درست کرکے سرگرم ہوں۔

یہ کہہ کر بادشاہ رخصت ہوئے ملکہ نے انجمن آرا کو طلب کیا اور دو چار مغلانیاں و آتو خوانیں جو سن رسیدہ، بڑھیاں، جہاں دیدہ تھیں سب کو بلایا۔ جب سب حاضر ہوئیں، شاہ زادی نے انجمن آرا کو پیار کیا اور کہا سنو بیٹیا! کارخانہ دنیا یہی ہے بیٹی ماں باپ کے گھر ہمیشہ نہیں رہتی اور حکم شرع شریف فرمودہ خدا اور رسول صلعم ہے، اس سے انکار و انحراف کفر ہے۔ ورائے ان باتوں کے، دیکھو تو کیا کیا مشقتیں کیسی کیسی مصیبتیں ایک شخص نے تمہارے واسطے اٹھائی ہیں جب یہ دن ہمیں نصیب ہوا کہ تمہاری صورت دیکھی اللہ آرزو نے روتے اندھے ہو جاتے، ہم تمہیں کیونکر دیکھتے، تم ہمیں کہاں پاتیں۔۔۔ انجمن آرا سر جھکا کر بولی، آپ کیا فرماتی ہیں:

نیک و بد تو مانہ نہیں اختیار میں
ہوتا وہی ہے آہ جو کچھ سرنوشت ہو

اللہ دنیا، عالم اسباب ہے، میں ایک نہ ایک حیلہ ہو جاتا ہے۔ خدا جانے یہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے مجھے منظور نہیں۔

وہ جو پانچ چار دائی دوا آتو مغلانیاں بیٹھی تھیں بول اٹھیں: بی بی! ماں باپ کی عدول حکمی نافرمانی خدا رسول کی ہے۔ تمہیں انکار مناسب نہیں۔ خدانخواستہ یہ تمہارے دشمن ہیں جو راہ چلتے کے حوالے کر دیں گے؟ آدمی دن بدن عقل و شعور سیکھتا ہے، تم ابھی تک سلامتی سے وہی نادانی کی باتیں کرتی ہو!

شہزادی جب ہوئی مگر جو جو اس کی شیریں ہم صحبتیں جن سے اور بھی ذکر رہتے تھے۔ وہ بولیں: ذکو تمہیں خبر ہے، دلہن سے صاف صاف کہو کیا چاہتی ہو؟ دنیا کی حیا و شرم جاتی رہی، بھلا کسی نے بھی ماں باپ کا کہا ٹالا ہے جو یہ نہ مانیں گی، لیکن یوں تو بڑوں کے سامنے یونہی کہتے ہیں۔

فسانۂ عجائب کے مطبوعہ نسخے عام طور پر مل جاتے ہیں اس لیے موازنے کی غرض سے متعلقہ اقتباس پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہاں وہ جملے نقل کیے جاتے ہیں جو انجمن آرا سے اس کی ماں نے کہے تھے۔

"سنو پیاری! دنیا کے کارخانے میں یہ رسم ہے کہ بادشاہ کے گھر سے فقیر تک، بیٹی کسی کی ماں باپ پاس ہمیشہ نہیں رہتی، اور غیرت دار کے گھر میں لڑکی جوان، ہر وقت رنج کا نشان آفت کا سامان ہے اور خدا اور رسول کا حکم بھی یہی ہے کہ جوان کو بٹھا نہ رکھو، شادی کردو۔

ورائے ان باتوں کے ایک شخص نے تمہارے واسطے گھر بار چھوڑا، سلطنت سے ہاتھ اٹھایا، کسی آفت سے منہ نہ موڑا۔ جی پر کھیل گیا، کیا کیا بلائیں جھیل گیا؟

خطی نسخے میں ماں کا لہجہ کتنا فطری ہے لیکن ہمچو نے اس گفتگو کو مضحکہ خیز بنا دیا۔ کچھ اسی قسم کا تفاوت پوری کتاب میں جابجا ملتا ہے۔

سرور کی زندگی کے بعض حالات کے سلسلے میں اب تک جو باتیں شک کے ساتھ کہی جاتی تھیں، اس نسخے سے وہ شک یقین سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ سرور ۱۲۴۰ھ میں کانپور گئے۔ ان کا یہ سفر کن حالات میں ہوا محققین نے اس پر کافی بحث کی ہے۔ ڈاکٹر نیر مسعود نے متعدد شواہد کا تجزیہ کرکے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ یا تو سرور غازی الدین حیدر کے حکم سے جلاوطن کرکے کانپور بھیجے گئے تھے یا لکھنؤ سے فرار ہو کر خود جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ اس نسخے سے ڈاکٹر نیر مسعود کے خیال کی توثیق ہوتی ہے، متعلقہ عبارت یہ ہے:

"۔۔۔۔۔۔ ربیع الثانی کے مہینے میں ۱۲۴۰ اتفاق آنے کا "بطرز نامعقول و وجہ مجہول" کو وہ کانپور میں ہوا۔"

متداول نسخوں سے "بطرز نامعقول و وجہ مجہول" غائب ہے واقعۂ قتل خوف مواخذہ اور جلاوطنی کے پس منظر میں ان فقروں کی اشاریت کسی تبصرے کی محتاج نہیں!

متداول نسخوں کے متن میں سرور نے اپنی اس تصنیف کا نام فسانۂ عجائب بتایا ہے لیکن خطی نسخے کے متن میں کتاب کے نام کی صراحت نہیں ہے ہاں جہاں کتاب ختم ہوتی ہے اس کے فوراً بعد اور ترقیمے سے پہلے "تمام شد کتاب فسانۂ عجیب" ملتا ہے۔ مصرعہ تبدیلیوں کے پیش نظر یہ امر بعید از قیاس نہیں کہ مصنف نے پہلے کتاب کا نام فسانۂ عجیب رکھا ہو اور اشاعت کے وقت فسانۂ عجائب کر دیا ہو۔

مخطوطہ ۱۲۰ اوراق پر مشتمل ہے۔ پہلے ورق کا تھوڑا سا حصہ باقی بچا ہے وہ بھی انتہائی خستہ حالت میں ہے۔ باقی اوراق محفوظ ہیں اور امتداد زمانہ نے انھیں بہت کم متاثر کیا۔ ورق نمبر دو پر نعت رسول ہے۔ حمد والی عبارت پہلے ورق پر رہی ہوگی۔ کتاب ورق نمبر ۱۲۰ کے دوسرے صفحے پر ختم ہوتی ہے اسی صفحے پر ترقیمہ ہے اور پھر یہ شعر:

خدایا بیامرز ایں سرمہ را
مصنف، نویسندہ، خوانندہ را

مراسلات

یہ اردو کے نصاب

میرا بھتیجا مسلم یونیورسٹی کے منٹو سرکل اسکول میں درجہ نہم میں پڑھتا ہے۔ اردو کی جو کتاب نصاب میں داخل ہے اس کا نام ہے: کتاب اردو۔ مرتب ہیں عظیم الحق جنیدی، پرنسپل مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول علی گڑھ۔ آجکل کلاس میں ذوق کی غزلوں کا درس ہو رہا ہے۔ لڑکے کو اشعار کا مطلب نکالنے میں دشواری ہوئی، میرے پاس آیا، یوں اس کتاب کی زیارت مجھے نصیب ہوئی۔

غزلیات کے تحت میر، آتش، ذوق، غالب، حسرت، جگر اور فراق کی غزلیں (بظاہر مختصر کر کے یعنی اشعار کا انتخاب کرنے کے بعد) شامل کی گئی ہیں۔ مجموعی تعداد ہے ۱۶۔ کتاب کا سنہ اشاعت ہے ۱۹۷۰۔ اس انتخاب میں مندرجہ ذیل بھی شامل ہیں۔

حسن تھا تیرا بہت عالم فریب خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا
(میر)

آنکھوں کی طرف گوش کی در پردہ نظر ہے
کچھ یار کے آنے کی مگر گرم خبر ہے
(میر)

خار صحرا پر کسی نے تہمت دزدی نہ کی
پاؤں کا مجنوں کے کیا کیا آبلہ جاتا رہا
(آتش)

کیونکہ دیوار پہ چڑھ جاؤں کوئی کہتا ہے
پاؤں کا تو تلا اکھڑ جائے تو سہی
(ذوق)

آ کے غصے میں نہ بیٹھے تو نہ بیٹھے وہ شوخ
روزن در سے ذرا آنکھ لڑائے تو سہی
(ذوق)

۱۲ اشعار کی ایک اور غزل ذوق کی جس کا مطلع ہے ؂

بے یار روز عید شب غم سے کم نہیں جام شراب دیدۂ پر نم سے کم نہیں

اگر فاضل مرتب سے کوئی پوچھے کہ صاحب یہ اشعار یہ غزلیات یہ شعرا آپ نے کیوں اپنی کتاب میں شامل کئے تو اغلب ہے جواب ملے گا "ہمارا مقصد اردو داں طالب علم کو اس کے ادبی اور تہذیبی ورثے سے واقف کرانا ہے۔ اردو کا سرمایہ اس کی شاعری ہے اور اردو شاعری کا سر کا تاج اردو غزل ہے اور اس تاریخ میں جو بے مثال ہیرے چمک رہے ہیں وہ ہیں میر، آتش، ذوق، غالب، حسرت، جگر اور فراق۔"

تب شاید اسٹیج کے دائیں بائیں سے کچھ اعتراضات ہوں۔ ایک معترض: "شعرا کی فہرست میں قلی قطب شاہ، ولی دکنی، انشا اور مومن کی کمی بری طرح کھٹکتی ہے۔ یہ انتخاب تاریخی اعتبار سے نامکمل ہے۔"

دوسرا معترض: "میر کی جو غزلیں شامل کی گئی ہیں وہ ان کے خاص رنگ کی نہیں۔ اس طرح کے انتخاب کے لئے مثالی ہونا ضروری ہے۔"

تیسرا معترض: "اکثر اشعار مخرب الاخلاق ہیں۔ حالی اور سرسید کے شہر کے اسکولوں میں اس طرح کے اشعار ہرگز نہیں پڑھانے چاہئیں۔ ہمارے طلبہ کی اخلاقی حالت یونہی خراب ہے۔"

جب تک فاضل مرتب ان اعتراضات سے نپٹیں، آیئے ہم آپ ایک اور سوال پر غور کریں۔ مجھے اندیشہ یہ ہے کہ کہیں ان غزلیات کو پڑھنے کے بعد میرے بھتیجے کو اردو غزل سے ہی نفرت نہ ہو جائے، یعنی ایسا نہ ہو جائے کہ اسکول چھوڑنے کے بعد وہ کبھی اردو غزل یا اردو شاعری کی کوئی کتاب خود سے پڑھے ہی نہیں، یا یہ کہ اگر بشیر بدر صاحب مجھ سے ملنے گھر پر آئیں تو وہ ان کو حقیر کی نظر سے دیکھے محض اس لئے کہ بشیر بدر شاعر ہیں اور وہ بھی غزل کے۔ در اصل مسئلہ یہ نہیں کہ ۱۴ سے ۱۲ برس کا لڑکا اردو شاعری کی اصناف، روایات اور تاریخی ارتقا سے واقف ہے کہ نہیں۔ مسائل تو یہ ہیں: (۱) کیا اس لڑکے کو زبان پر قابو حاصل ہے اور وہ سنجیدہ تحریر لکھ پڑھ سکتا ہے؟ (۲) کیا اس کو ادب سے لطف اندوز ہونا آگیا ہے؟ بالفاظ دیگر، وہ یہ تو پلٹ کر نہیں پوچھتا: "صاحب یہ شعر و ریر پڑھنے سے کیا فائدہ؟"

ابتدائی جماعتوں میں (اور میں ان میں ہائی اسکول کے علاوہ بی۔ اے کا پہلا سال بھی شامل کرتا ہوں) ہمارا سب سے بڑا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ طالب علم کو زبان پر قابو آجائے۔ وہ کوئی بھی زبان ہو، خواہ انگریزی یا ہندی یا اردو۔ اگر اسے کسی ایک زبان میں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کی صلاحیت نہیں، اگر وہ زبان کی قوت تحریر سے نا واقف محض رہتا ہے، تو وہ کوئی بھی مضمون ہو نہ اسے سمجھ سکتا ہے نہ اس سے حاصل شدہ معلومات کو اپنی ذات یا اپنی شخصیت کا جزو بنا سکتا ہے۔ اس کا تمام علم سطحی رہے گا، رٹا ہوا۔ اس کی شخصیت خانوں میں بٹی رہے گی۔ اگر وہ سائنس کا طالب علم ہے تو کہے گا: "میں تو سائنس کا آدمی ہوں، شعر و شاعری سے مجھے کیا مطلب؟" اور اگر وہ آرٹس کا طالب علم ہے تو سائنس سے اپنی ناواقفیت پہ ناز کرے گا اور غالب یا بہت سے بہت اقبال کے بعد کے کسی شاعر کا کلام مارے باندھے تو شاید پڑھ لے، خود سے کبھی نہیں پڑھے گا، بلکہ عصری ادب سے ناواقفیت پر تو نازاں بھی ہوگا

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

انجمن کی خبریں

معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا کا بیان

حیدرآباد:- جناب حبیب الرحمٰن صاحب معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے حسب ذیل بیان جاری کیا ہے:-

گذشتہ سات سال سے انجمن کے سرپرستوں، ہمدردوں اور کارکنوں کے جو اجتماع ہر سال منعقد ہو رہے ہیں ان کے مفید نتائج کے پیش نظر آئندہ اجتماع ۸ر اور ۹ر جنوری ۱۹۷۲ء کو حیدرآباد میں منعقد کرنے کا تصفیہ کیا گیا ہے۔

یہ اجتماع اس لئے بھی خاص توجہ کا مستحق ہوگا کہ ڈگری کورس میں تلگو میڈیم جاری کرنے کی غرض سے آندھرا پردیش کی تینوں جامعات میں ضروری کارروائی شروع کردی گئی ہے جو ایک مناسب اقدام ہے لیکن اردو میڈیم کے تعلق سے سوائے خانگی کالجوں کے ــــ اور وہ بھی صرف شہر حیدرآباد کی حد تک ــــ اس طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی ہے جس کی وجہ سے اردو میڈیم سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان کامیاب کرنے والے طلبہ کو اور خاص طور پر ضلعوں اور تعلقوں میں رہنے والوں کو اپنی آئندہ تعلیم کے متعلق غیر یقینی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

اردو میڈیم کے طلبہ بھی یقیناً ان تمام سہولتوں کے مستحق ہیں جو تلگو میڈیم کے لئے مہیا کی جائیں خواہ ان کا تعلق جامعاتی تعلیم سے ہو یا ملازمتوں میں ہمت افزائی سے یا مقابلوں کے امتحانات سے۔ اس سلسلے میں انجمن نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ تلگو کے ساتھ ساتھ اردو والوں کی ضروریات کو بھی پیش نظر رکھا جائے لیکن اس بارے میں حکومت ٹال مٹول سے کام لے رہی ہے۔ مجوزہ اجتماع میں اس مسئلہ پر خاص توجہ دی جائے گی۔

تلنگانہ میں جہاں اردو کے جونیر کالجوں یا متوازی جماعتوں کا قیام عمل میں آچکا ہے ان میں سے کئی مقامات پر ابھی تک اساتذہ کا تقرر نہیں کیا گیا ہے اور نہ اردو میں نصابی کتابوں کی تیاری پر کوئی توجہ دی گئی ہے جس کی وجہ سے انٹرمیڈیٹ کے نتائج انتہائی خراب نکلے ہیں اور طلبہ میں بڑی پریشانی پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ تلنگانہ کو چھوڑ کر ریاست کے دوسرے علاقوں مثلاً رائل سیما اور سرکار ڈسٹرکٹس میں سوائے ایک دو مقامات کے ابھی تک جونیر کالج قائم نہیں ہوئے ہیں جس کی بنا پر اردو میڈیم سے میٹرک کامیاب کرنے والے طلبہ اعلیٰ تعلیم سے محروم ہیں۔ جنوری میں منعقد ہونے والے اجتماع میں غور کیا جائے گا کہ اس بارے میں کیا اقدام کیا جائے جس سے طالب علموں اور ان کے سرپرستوں کی پریشانی دور ہوسکے۔

حکومت آندھرا پردیش نے سرکاری زبان کے قانون میں اردو کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سلسلے میں انجمن کی جانب سے ایک مبسوط یادداشت دو سال قبل چیف منسٹر کی خدمت میں پیش کی گئی تھی اور چیف منسٹر نے وزیر تعلیم کی موجودگی میں اس بات کا یقین دلایا تھا کہ انجمن اور حکومت کے نمائندوں کے درمیان گفت و شنید کے بعد تمام مسائل طے کردئے جائیں گے لیکن ابھی تک اس گفت و شنید کی نوبت ہی نہیں آئی ہے جس کی وجہ سے نظم و نسق اور عدالتوں میں اردو کا چلن نہیں کے برابر ہے۔

ان حالات کے پیش نظر جناب حبیب الرحمٰن صاحب معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے اردو کے تمام بہی خواہوں سے درخواست کی ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں مقامی طور پر اجتماعات منعقد کرکے مندرجہ بالا مسائل کی جانب حکومت کی توجہ مبذول کرائیں اور ۸ر اور ۹ر جنوری ۱۹۷۲ء کو حیدرآباد میں منعقد ہونے والے اجلاسوں میں شریک ہوکر اردو کے تعلق سے اپنا فرض پورا کریں۔

٭ نامہ نگار

اخبار و اذکار

پرائمری اسکول میں "ذریعہ تعلیم" کے لئے ایڈوانس رجسٹر

لکھنؤ: وزیر اعلا شریمتی کملاپتی ترپاٹھی نے ایک سرکاری بیان کے بموجب لسانی اقلیتوں کے مرکزی کمشنر کو بتایا ہے کہ ریاست کے ہر پرائمری اسکول میں ایک "ایڈوانس رجسٹر" رکھا جائے گا جس میں والدین یہ درج کرسکیں گے کہ وہ اپنے بچے کو کس زبان کے ذریعہ تعلیم دلانا چاہتے ہیں۔

وزیر اعلا نے حکومت کی لسانی پالیسی اور پرائمری اور ثانوی تعلیم کی سطح پر اردو کو جو سہولتیں دی گئی ہیں یا دی جا رہی ہیں ان کی وضاحت کی۔

ریاست کے پانچ کادال شہروں اور میرٹھ اور بریلی میں ہر محلے میں "ضرورت ہو تو" اردو تعلیم کے لئے پرائمری اسکول کھولنے کی بھی اطلاع وزیر اعلا نے دی۔

حکومت ہند کی لسانی اقلیتوں کے کمشنر دیوکی گوپی داس نے وزیر اعلا شریمتی کملاپتی ترپاٹھی سے ملاقات کی اور ان سے ریاست کی لسانی اقلیتوں کے مسائل پر گفتگو کی۔

اس ملاقات کے دوران لسانی اقلیتوں کے اڈیشنل کمشنر وسکرٹری قومی ایکتا محکمہ کے سکریٹری اور وزارت تعلیم کے اسپیشل سکریٹری بھی موجود تھے۔

وزیر اعلا نے کمشنر کو اردو لسانی اقلیت کو ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی سطح پر جو سہولتیں دی جا رہی ہیں ان کی اطلاع دیتے ہوئے بتایا کہ ڈائرکٹر تعلیمات نے یہ احکامات جاری کردئے ہیں ہر پرائمری اسکول میں ایک ایڈوانس رجسٹر رکھا جائے جس میں طالب علموں کے سرپرست اور والدین یہ درج کرسکیں گے کہ وہ اپنے بچے کو کس زبان کو ذریعہ تعلیم بناکر تعلیم دلانا چاہتے ہیں۔ اگر کسی جماعت میں اردو میں تعلیم پانے والے بچوں کی تعداد ۱۰ یا اسکول میں ۴۰ ہوگی تو وہاں اس سلسلے میں بندوبست کیا جائے گا۔

اسکول کے داخلہ فارم میں بھی اس سلسلے میں ایک خانہ بنادیا گیا ہے جس میں والدین یا سرپرست یہ درج کریں گے کہ وہ کس مادری زبان میں اپنے بچے کو تعلیم دلانا چاہتے ہیں۔

ایک سرکاری اعلان میں کہا گیا ہے کہ اس خانہ کے بڑھادینے کے بعد اب اردو مادری زبان میں تعلیم دلانے کے خواہش مندوں کو اس شکایت کا موقع نہیں رہ جائے گا کہ وہ اپنے بچے کو اردو کے ذریعہ تعلیم دلانا چاہتے تھے لیکن ہیڈ ماسٹر نے اس کی پرواہ نہیں کی اس لئے وہ اپنے بچے کو اردو ذریعہ تعلیم کے ذریعہ نہیں پڑھا سکے۔

سرکاری بیان کے بموجب لسانی اقلیتوں کے کمشنر کو یہ بھی بتایا گیا کہ اسکولوں کے سب ڈپٹی انسپکٹر اور ڈپٹی انسپکٹر جب پرائمری اسکولوں کے دورے پر جائیں گے تو وہ اس ایڈوانس رجسٹر کا خاص طور سے معائنہ کریں گے۔

وزیر اعلا نے یہ بھی دہرایا کہ پانچ بڑے شہروں کانپور، لکھنؤ، بنارس، الہ آباد اور آگرہ میں اور میرٹھ اور بریلی میں ۱۰ اور ۴۰ کی تعداد کے سوا یہ بھی بندوبست کیا گیا ہے کہ ضرورت کے بموجب محلوں میں اسکول قائم کرائے جائیں گے جہاں اردو کی تعلیم کا بندوبست کردیا جائے گا۔

پرائمری تعلیم کی سطح پر اردو کے مزید اساتذہ رکھنے کے لئے سرکاری بیان کے بموجب اس سال بجٹ میں ۱۵ لاکھ ۹۹ ہزار ۵ سو روپیہ کی رقم رکھی گئی ہے جب کہ پچھلے بجٹ میں یہ رقم ۱۰ لاکھ روپیہ تھی۔

ثانوی تعلیم کی سطح پر اردو مضمون کے سوا دوسرے مضامین کی اردو کی کتابیں تیار کرانے کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔

گفتگو کے دوران اردو اکاڈمی کے مقاصد پر بھی روشنی ڈالی گئی اور بتایا گیا کہ اس کا دائرہ عمل وسیع اور ہمہ گیر ہوگا۔

کمشنر کو بتایا گیا کہ جہاں تک اردو میں درخواستیں قبول کئے جانے کا سوال ہے اس سلسلے میں سرکاری حکم پہلے ہی سے موجود ہے۔ پھر بھی ابھی حال میں ایک سرکلر جاری کیا گیا ہے جس میں اس سہولت کی طرف سرکاری افسروں کی توجہ خاص طور سے مبذول کرائی گئی ہے اور بقول سرکاری بیان کے "سرکاری کرمچاریوں کو سخت ہدایتیں" دی گئی ہیں۔

وزیر اعلا نے حکومت کی لسانی پالیسی کو واضح کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ ہندی اس ریاست کی سرکاری زبان ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اردو کی ترقی اور ترویج کے لئے "ہر ممکن طریقے حکومت اپنا رہی ہے اور اپناتی رہے گی"۔

○ قومی آواز لکھنؤ

بہار کے وزیر تعلیم سے اردو کے سلسلے میں ایک وفد کی ملاقات

آرہ: اردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن انجمن ترقی اردو اور مومن یوتھ اینڈ اسٹوڈینٹس فیڈریشن کا ایک مشترکہ وفد زیر قیادت مولانا عبدالوہاب شری تیسو ر پرشاد وزیر تعلیم سے ملا۔ وفد نے اردو طلبہ کی مشکلات، اسکولوں میں اردو اساتذہ کی بحالی کے سلسلے میں حکام کی دھاندلی، کالجوں میں اردو تعلیم کا غیر تشفی بخش انتظام نیز دوسرے اہم امور کی طرف وزیر موصوف کی توجہ

مبذول کرائی۔

وفد نے میمورنڈم پیش کرتے ہوئے موصوف سے شکایت کی کہ شاہ آباد ضلع میں بہت سے کالج ایسے ہیں جہاں اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں اور بہت سے کالجوں میں کلاسوں کے ناقابل برداشت بوجھ کی باوجود صرف ایک لکچرر شروع سے اب تک کام کر رہا ہے حالانکہ یونیورسٹی اسٹیوٹ کے مطابق ہر شعبہ میں کم از کم دو لکچرر کا ہونا ضروری ہے بہت سے اسکولوں میں اردو ٹیچر کے ریٹائر ہو جانے یا انتقال کر جانے کے بعد اب تک خالی جگہ کو پر نہیں کیا گیا۔ پرائمری، اپر پرائمری اور مڈل اسکولوں میں اردو ٹیچر کی جگہ ہندی کے ٹیچر رکھے گئے ہیں سری تیشور پرساد نے وفد کی باتوں کو بغور سنا اور فرمایا کہ ان کے ذہن میں اردو طلبہ کی مشکلات کا مسئلہ بہت پہلے سے ہے۔ موصوف نے وفد کو یقین دلایا کہ جلد سے جلد مناسب کاروائی کی جائے گی۔ صدر شاہ آباد اسٹوڈینٹس فیڈریشن وشاہ آباد مومن یوتھ اینڈ اسٹوڈینٹس فیڈریشن۔

• محمد نبین انصاری دانش

اردو اسکول کی عمارت کی تعمیر

راجستھان سرکار کی طرف سے محلہ اندرکوٹ اجمیر شریف میں اردو زبان کی تعلیم کے لئے دو سرکاری پرائمری اسکول قائم ہیں لیکن اسکولوں کی اپنی عمارت نہ ہونے کی وجہ سے ہر دو اسکول ایسی جگہ چل رہے ہیں جو بجائے موجودہ ناکافی ہیں۔

مسلمانان اجمیر نے بچوں کی اردو تعلیم کی ضرورت کے پیش نظر ایک اسکول کی عمارت کا سنگ بنیاد جس میں کم از کم پانچ سو بچے بچیاں تعلیم حاصل کر سکیں رکھدیا ہے اور اسکول کی تعمیر کا کام ابھی جاری ہے۔

• الجمعیۃ دہلی

ونیتا مہا ودیالیہ کی اردو جماعتیں

حیدرآباد:۔ جناب کے ایم عارف الدین صدر نشین مجلس عمل علیہ برائے اردو نے اس سلسلہ میں ناظم تعلیمات اور جناب سنگمیشور راؤ اسپیشل آفیسر جونیر کالجس سے ملاقات کی اور اس بات پر زور دیا کہ حکومت کو ونیتا مہا ودیالیہ میں اردو جونیر انٹرمیڈیٹ کے تمام مصارف برداشت کرنے چاہئیں۔ ناظم تعلیمات نے ریاستی حکومت کے دشوار مالی موقف کا تذکرہ کرتے ہوئے داخلوں سے حاصل ہونے والی پوری رقم اور میقاتی فیس اس مقصد کے لئے استعمال کرنے کی اجازت دینے سے اتفاق کر لیا۔ انھوں نے یہ تیقن بھی دیا کہ اس مقصد کے لئے ریاستی حکومت ونیتا مہا ودیالیہ کو گرانٹ کی اجرائی پر آئندہ ہمدردانہ اور موافق غور کرے گی۔

• سیاست حیدرآباد

اردو میڈیم ڈگری کلاسس کا مطالبہ

حیدرآباد:۔ مختلف طلبہ اور انجمنوں کے نمائندوں نے چیف منسٹر جناب پی۔ وی نرسمہا ریڈی کو ایک یادداشت پیش کرتے ہوئے گورنمنٹ سٹی کالج میں اردو میڈیم ڈگری جماعتیں قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ یادداشت میں اور باتوں کے علاوہ کہا گیا ہے کہ ۸۰ فیصدی اردو والے پرانے شہر میں رہتے ہیں اور دو پرائیویٹ اردو میڈیم کالجس اس شہر سے بہت دور واقع ہیں۔ غریب طلبہ طویل فاصلوں پر واقع ان کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے کے موقف میں نہیں ہیں گورنمنٹ سٹی کالج میں جو پرانے شہر میں واقع ہے اردو میڈیم ڈگری جماعتیں قائم کی جانی چاہئیں۔ معلوم ہوا ہے کہ چیف منسٹر نے صبر و سکون سے سماعت کے بعد اس بارے میں غور و خوض کا وعدہ کیا ہے۔

• سیاست حیدرآباد

اردو مسلمانوں کی زندگی اور موت کا سوال ہے

الحاج محمد یونس سلیم نے کہا اردو کو زندہ رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلمان ہر محلہ اور ہر قریہ میں شبینہ مدارس قائم کریں اور اردو پڑھانے کا انتظام کریں۔ انھوں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ آپ کو اس ملک میں مسلمانوں کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اردو زبان زندہ رہے۔

• سالار بنگلور

ڈاکٹر محمد حسن کے اعزاز میں جلسہ

اردو کے مشہور نقاد ڈاکٹر محمد حسن کو جو حال ہی میں کشمیر یونیورسٹی سرینگر میں پروفیسر و صدر شعبۂ اردو مقرر ہوئے ہیں۔ الوداع کہنے کے لئے دہلی کے شاعروں، ادیبوں، اور صحافیوں کا ایک جلسہ جناب حسن نعیم ڈائرکٹر غالب انسٹی ٹیوٹ، ایوان غالب نئی دہلی کی دعوت پر ۳ر نومبر ۱۹۷۱ء کی شام کو ½ ۵ بجے ایوان غالب میں منعقد ہوا جلسے کی صدارت اردو کے ممتاز محقق اور عالم قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر (پٹنہ) نے فرمائی۔ جلسے کے آغاز میں جناب نثار احمد فاروقی صاحب نے ڈاکٹر محمد حسن کے ادبی اور تنقیدی کارناموں کے جائزے پر مشتمل ایک مضمون پڑھا۔ آخر میں قاضی عبدالودود صاحب نے مختصر مگر دلچسپ تقریر کی۔ جلسے کے اختتام پر ایک مختصر اور دلچسپ محفل مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں ہر مکتب خیال کے شاعروں نے اپنا اپنا کلام سنایا۔

• نامہ نگار

لسانی اقلیتوں کے نائب کمشنر کا مشورہ

گلبرگہ:۔ لسانی اقلیتوں کے نائب کمشنر جناب ایل۔ بی تھنگا نے یہاں کے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ اقلیتی کمیشن نے اپنی

تازہ رپورٹوں میں لسانی اقلیتوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ علاقائی زبان کی دھارا سے کامل اتحاد و اتفاق کا اظہار کریں۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے جناب تھنگا نے کہا کہ کمیشن نے اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ریاستیں علاقائی زبانوں کو ایڈمنسٹریشن (نظم ونسق) میں داخل کر رہی ہیں اقلیتی زبانوں کی ترقی کے کسی پروگرام کی سفارش نہیں کی ہے۔

لسانی اقلیتوں کے نائب کمشنر جناب تھنگا اس پروگرام کے علاوہ آمد کا موقع پر مطالعہ کرنے کے لئے وارد ہوئے تھے جو ریاستی حکومت نے اقلیتی زبان کے تحفظ کے لئے مرتب کیا تھا۔

• سیاست جدید کانپور

ونیتا مہا ودیالیہ میں اردو جماعت کے قیام کی توقع

حیدر آباد:۔ جناب کے ایم عارف الدین صدر مجلس عمل طلبہ برائے اردو نے ونیتا مہا ودیالیہ کے اعزازی معتمد جناب پاپیا سے ملاقات کرکے ونیتا مہا ودیالیہ میں اردو جماعت کے قیام کے تعلق سے بات چیت کی اور ناظم تعلیمات کے مراسلہ سے جو اردو میڈیم کی جماعت کے قیام سے متعلق ہے ان کو آگاہ کیا اعزازی معتمد نے وعدہ کیا کہ نومبر کے آخر تک ونیتا مہا ودیالیہ کی منیجنگ کمیٹی کے اجلاس میں اس مسئلہ کا فیصلہ ہو جائے گا جناب عارف الدین نے داخلہ کی خواہشمند طالبات سے اپیل کی ہے کہ وہ مزید چند دن داخلہ کے لئے انتظار کریں۔

• سیاست حیدر آباد

گورکھپور میں تعزیتی جلسہ

حضرت مولانا سید انتر موہانی وارثی کے انتقال پر جناب فرید خاں ایڈووکیٹ کی قیام گاہ پر ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر سلام سندیلوی نے فرمائی۔

ڈاکٹر سلام سندیلوی نے اپنی تقریر میں کہا کہ انتر موہانی کے انتقال سے اردو کی کلاسیکی شاعری کو زبردست صدمہ پہنچا ہے۔ مولانا مرحوم فن عروض پر زبردست عبور رکھتے تھے اور شاعری کے رموز و نکات سے کما حقہ واقف تھے۔ اب ایسا صاحب فن شاعر سرزمین لکھنؤ پر کوئی نہیں رہا۔ مولانا مرحوم ایک شریف نیک، با اصول، غیور اور خوددار انسان تھے۔ افسوس ہے کہ موت نے ہم سے ایک شرافت اور غیرت کا پیکر چھین لیا۔

آخر میں مولانا انتر موہانی مرحوم کی مغفرت کے لئے دعا کی گئی۔

• مقبول حسین سکریٹری

جناب قدیر امتیاز کا خیر مقدم

حیدر آباد:۔ اردو کے جواں سال ناول نگار جناب قدیر امتیاز کے "تازہ ناول" رعنا" کی اشاعت پر ایک خیر مقدمی تقریب منعقد ہونے والی ہے۔ اس خیر مقدمی تقریب کے ساتھ ہی ایک ادبی محفل بھی منعقد ہوگی جس میں اردو کے ممتاز نقاد و ادیب "رعنا" کے مندرجات کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔

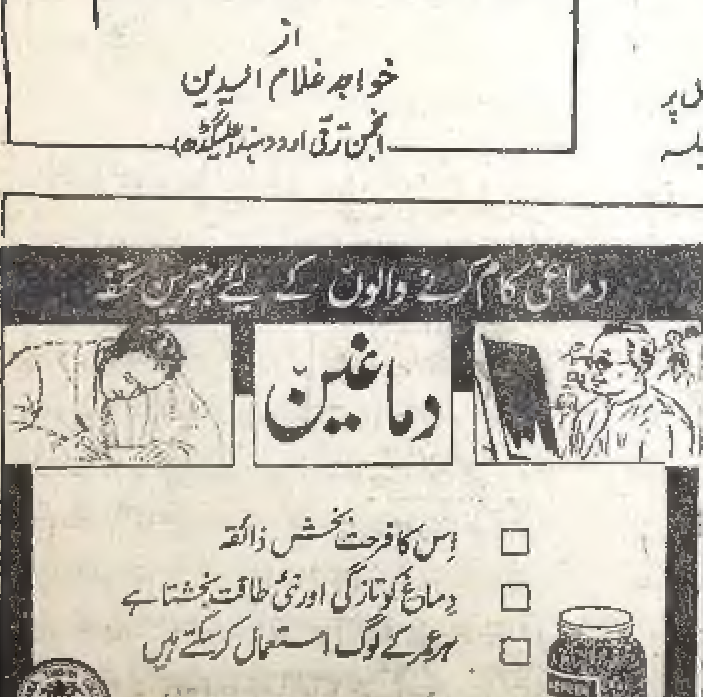
• حبیب انصاری

فراق گورکھپوری پر ریسرچ کے لئے وظیفہ

گورکھپور:۔ اردو کے مشہور شاعر فراق گورکھپوری پر تحقیقی مقالہ لکھنے کے لئے جناب افنان اللہ، ریسرچ اسکالر گورکھپور یونیورسٹی کو تین سو روپیہ ماہانہ کی جونیر فیلوشپ ملی ہے یہ فیلوشپ تین سال تک چلے گی۔

افنان اللہ خاں نے ڈاکٹر محمود الہی صدر شعبۂ اردو کی نگرانی میں ریسرچ کا کام شروع کر دیا ہے۔

• فیروز احمد صدر بزم ادب



باقی صفحہ ۱۲ سے آگے

کی سطح پر زماں خالص مکانی ہوتا ہے۔ "اب" اور "اب نہیں" کا ترجمہ ہوگا "یہاں" اور "یہاں نہیں"۔ زماں ایک ایسا خط ہے جس کا کچھ حصّہ طے ہو چکا ہے، کچھ بعد میں طے ہوگا۔ اس کا ایک ذرا سا حصّہ ہی "حال" ہے۔ حال تلوار کی دھار ہے، صراط کا پل ہے۔ جس کے دونوں طرف لامتناہی ماضی و حال پھیلے ہوئے ہیں۔ ولیم جیمس حال کو 'صفر' کہتا ہے اس لئے کہ حال یا تو ماضی کا کوئی لمحہ ہے یا مستقبل کا کوئی لمحہ — یہ خود تصور کئے جانے سے پہلے یا تو ماضی ہوتا ہے یا مستقبل۔ لیکن اگر اسی زماں کو ہم اپنے نفس اور اس کے تجربے کی آنکھ سے دیکھیں تو اس میں ماضی، حال، مستقبل ایک دوسرے میں ضم ہو جاتے ہیں۔ یہ برگساں کا "دوران" (DURATION) ہے جس میں تواتر ہے تغیّر نہیں۔ یہ ناقابلِ تقسیم کل ہے۔ یہ ہمارے وجود اور اس کے سارے تجربات و احوال پر محیط ہے۔ اس کا عرفان وجدان سے ممکن ہے سائنسی ریاضیاتی فہم (INTELLECT) کی دسترس سے یہ حقیقی زماں باہر ہے۔

ان تمام فلسفوں سے ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ زماں بہرحال ایک حقیقت ہے — جو اضافی ہے، مطلق نہیں۔ اسی کے ساتھ سائنسی نظر میں بھی ایک حد تک زماں موضوعی مانا جا سکتا ہے — زماں کی چار اقسام اس طرح مانی گئی ہیں — (۱) حیاتیاتی زماں جس کا علم جبلّی طور پر تمام جانداروں کو ہوتا ہے۔ (۲) سماجی زماں جس کا دور تین سے پانچ نسلوں تک کا احاطہ کرتا ہے۔ جو زماں اس سے باہر ہے، وہ لاکھ حقیقی سہی، ہماری زندگی سے متعلق نہ ہونے کے سبب محض ایک تصور بن جاتا ہے۔ (۳) تاریخی زماں جس کا علم تاریخ سے ہوتا ہے اور جو براہِ راست ہماری زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ (۴) ارضیاتی زماں، اسے ہم حواس کے علم سے نہیں بلکہ دوسرے سائنسی طریقوں سے جانتے ہیں — چند برس قبل ہمیں اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا — اس کے ذریعے ہم زمین کی عمر اور ارتقا کا حساب لگاتے ہیں۔

انسان کے لئے حیاتیاتی، سماجی اور تاریخی زماں ایسے معانی کے حامل ہیں جو اس کے وجود سے متعلق ہیں — انسان زماں کا جبلّی علم محض اپنی جسمانی ضروریات کی تکمیل کے لئے نہیں رکھتا، بلکہ وہ اپنے انسانی وجود کی تکمیل کے لئے سماجی اور تاریخی زماں کے شعور کا بھی ضرورت مند ہے۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سماجی اور تاریخی زماں (اور اسی کے ساتھ ارضیاتی زماں بھی) صرف انسانی شعور کے حوالے سے ہی معنی رکھتے ہیں دوسرے جانداروں کے لئے وہ بے معنی ہیں اس لئے معدوم ہیں — اسی بات کو میں اس طرح بھی کہوں گا کہ زماں اپنے لاانتہا پھیلاؤ کے ساتھ اگر حقیقت ہے تو انسانی شعور کے لئے۔ اگر کائنات انسانی شعور سے محروم ہو جائے تو زماں سکڑ کر جانوروں کا حیاتیاتی زماں ہو جائے گا، جسے ذرا "طویل لمحۂ حال" کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا — اور اگر زندگی بھی معدوم ہو جائے تو پھر زماں بھی معدوم ہو جائے گا — اس لحاظ سے یہ کہنے والے بھی ایک حد تک حق بجانب ہیں کہ زماں ہمارے ادراک و شعور کی شرط یا اس کا اطلاق ہے، اور یہ کہنے والے بھی صحت سے قریب ہیں کہ زماں ہی نہیں بلکہ زمان و مکاں کا وجود انسانی وجود سے عبارت ہے — کم از کم یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ زمان و مکاں کے معنی انسانی شعور اور وجود سے ہی متعین ہوتے ہیں۔ انسانی وجود تاریخ رکھتا ہے اور انسانی وجود کائنات میں ہے اس لئے کائنات کی بھی تاریخ ہے — ورنہ کائنات، انسانی وجود سے الگ ہو کر نہ معنی کی حامل رہتی ہے نہ تاریخ رکھتی ہے۔

زماں اپنی محدود وسعتوں کے ساتھ انسانی وجود سے منسلک بھی ہے اور اسی سے پھوٹتا بھی ہے — اور اس کا ادراک و احساس، علم و عرفان تغیّر کے وسیلے ہی سے ہوتا ہے — یہ تغیّر داخلی بھی ہے خارجی بھی۔ جس کے لئے تغیّر نہیں، اس کے لئے جمود ہے، جس کے لئے جمود ہے وہ بے حس ہے اور انسان ہوتے ہوئے بھی انسانی وجود سے محروم ہے — زندہ، فعّال، عہد آفریں و تاریخ ساز وہی انسانی وجود ہیں جو زماں کا سرچشمہ، اس کے تغیّر کے ہم عناں اور اس کے آئندہ امکانات کی صورت گری کرنے والے ہیں — زمانے کو بُرا کہنا اپنی بے عملی کی نوحہ خوانی ہے اور حقایق و تصورات، اقدار و عقائد کو جامد سمجھنا اس وجود انسانی سے انکار ہے جو زمان و تغیّر دونوں کو حقیقت اور معنی عطا کرتا ہے۔

اگر میری دنیا ہر لمحہ بدل رہی ہے، تو اس کی تبدیلی کا میں بھی ذمہ دار ہوں — اگر کوئی اس تبدیلی کے عمل میں شریک اور اس کا ذمہ دار نہیں تو وہ وقت کی راہ کا پتھر ہے، جسے وقت اپنے راستے سے ہٹا دے گا۔ وقت کی یہ طاقت تمام موجود انسانوں کے شعور، تجربے اور عمل کی اجتماعی طاقت ہے — وقت کے تغیّر آفریں عمل کا انکار، ظلمت پسندی، قدامت پرستی اور جمود طلبی کی شکلیں ہی اختیار کر سکتا ہے — اس لئے ہر فرد انسانی

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

حمید اختر

میرا صفحہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

ہماری صدی کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی تیز رفتار تغیّر پذیری ہے۔ تغیّر کائنات کا وہ اٹل قانون ہے جس سے انکار ممکن ہی نہیں۔ ہمارے اطراف ہر شے، ہر وجود، ہر ادارہ جس طرح بدل رہا ہے، اس کے اثر سے خود ہمارے اندر کی دنیا بھی بدل رہی ہے۔ ہمارے احساسات و جذبات کی نوعیت و کیفیت، تصورات و اقدار، سیاسی سماجی مذہبی عقائد اس صدی میں تغیّر کے عمل میں جس شکست و ریخت اور تشکیلِ نو کے مسلسل مرحلوں سے گزر رہے ہیں، ان کا احساس نہ ہونا بے حسی اور جمود کی علامت ہے۔ تغیّر ہمیشہ سے وقت کا اظہار اور عمل سمجھا گیا ہے۔ اگر وقت نہیں تو تغیّر نہیں۔ افلاطون کی کائناتِ اعیان مستقل و مطلق ہے، اس لئے وہاں صرف ثبات ہے، تغیّر ہے ہی نہیں۔ ہماری مادی دنیا، جس میں ہم زندگی بسر کرتے ہیں، افلاطون ایسے عینیت پرست کے لئے بھی تغیّر کے مسلسل عمل سے گزرتی ہے۔ کانٹ نے افلاطون کی طرح تغیّر کو مادی دنیا جسے وہ دنیائے مظاہر کہتا ہے سے ہی مخصوص کیا ہے — اور یہاں بھی وہ زمان و مکاں دونوں کو موضوعی مانتا ہے۔ یہ ہماری حسیّت کی صورتیں یا اطلاقات ہیں، جن کے بغیر ہم مظاہر کا ادراک نہیں کر سکتے۔ زماں کی اس موضوعیت کی طرف مسلم فلاسفہ اور متصوفین نے بھی اشارہ کیا تھا۔ عراقی کے نزدیک مکان متحرک، طبعی ہے، مطلق اور جامد نہیں۔ وہ زماں کی اضافیت کا بھی قائل ہے۔ اسی لئے اس کا خیال ہے کہ مادی اجسام، لطیف اجسام (جیسے ہوا اور آواز) روشنی اور پھر ارواح و ملائکہ کا مکان ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ یعنی مکان مطلق شے نہیں — مکاں کی اضافیت اسے زماں سے بھی جوڑ دیتی ہے — مکان کی نوعیت بدلنے کے ساتھ زماں کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے۔ روشنی کی رفتار زماں کو صفر میں تبدیل کر دیتی ہے۔ عراقی نے مادی اور غیر مرئی اجسام، روشنی اور ارواح، ملائکہ اور خدا کے لئے مختلف اقسامِ زماں کا تعین کیا ہے۔ ارواح اور ملائکہ کا زماں غیر متبدل ہے، اس لئے وہ بے زماں ہے۔ خدا بھی اسی لئے زمان و مکاں سے ماورا ہے — کیونکہ اس کا زماں ابد ہے، اور اس کا مکاں لاتعین۔ ان بظاہر غیر سائنسی تصورات کی توثیق ایک حد تک جدید سائنس اور ریاضیاتی تصورات سے بھی ہوتی ہے۔ آئن اسٹائن نے اضافیت کے نظریے تک رسائی اس معمولی سے مشاہدے سے پائی تھی کہ ایک مادی ذرے کی رفتار روشنی کی شعاع کی حد میں داخل ہوتے ہی بدل جاتی ہے۔ وھیلر (WHEELER) کی تحقیقات نے اس تصور تک رہنمائی کی کہ جب زمین کی کشش سے نکلنے کے بعد رفتار کا اضافہ زماں کو مختصر کر دیتا ہے تو ایک کہکشانی نظام سے دوسرے کہکشانی نظام تک کا سفر، جو ہمارے حساب سے لاکھوں کروڑوں برسوں کا سفر ہے، خلا میں چند برسوں ہی کے سفر کے برابر ہوگا — یعنی اگر کوئی دوسرے کہکشانی نظام (GALLAXY) تک جا کر واپس آئے تو اس دوران میں زمین پر کروڑوں سال گزر چکے ہوں گے۔ مگر خلا کے مسافر کی عمر میں پچاس ساٹھ برس ہی کا اضافہ ہوگا — انہی ریاضیاتی اصولوں کی بنیاد پر وھیلر نے یہ تصور بھی پیش کیا کہ مکان کی شکل کچھ ایسی ہونی چاہیے کہ اس کے درمیان میں ایک خالی طویل اور عریض سوراخ ہے جسے وہ فوقِ زماں (SUPER SPACE) کہتا ہے — یہاں زماں صفر ہے، ایک کائنات سے دوسری کائنات تک کا سفر ایک ہی آن میں ممکن ہے — یعنی زمین کی طنابیں کھینچنے کی مذہبی روایت کی توضیح اس طرح بھی ممکن ہے کہ خود مکان کی طنابیں کھنچ سکتی ہیں۔ اسی طرح بین کہکشانی سفر ممکن ہو سکے گا۔

آئن اسٹائن نے زماں کو کائنات کا چوتھا بُعد (DIMENSION) بتایا ہے — یعنی زمان و مکان دو الگ الگ حقیقتیں نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو لاینفک اجزا ہیں — زماں مکاں پر منحصر ہے اور مکاں زماں پر — تغیّر جو زماں میں واقع ہوتا ہے، اسی لحاظ سے اضافی اور موضوعی بھی مانا جا سکتا ہے — یہی سبب ہے کہ اقبال نے زمان و مکاں کو موضوعی بھی مانا ہے اور حرکی و فعال بھی۔ مکاں کا تعلق بھی ہمارے ادراک سے ہے۔ بعض جانوروں کے لئے مکان یک بعدی ہے، بعض کے لئے دو ابعادی — ہمارے لئے سہ ابعادی کیونکہ اس کا تیسرا بعد ہمارے تصور پر منحصر ہے — جن جانوروں کے پاس تصورات نہیں ان کا زماں صرف دو ابعاد رکھتا ہے — اقبال اسی طرح زماں کو بھی مختلف سطحوں پر مختلف مانتے ہیں۔ ادراک

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کو پریس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا